چند اہم سوالات: استفسارات

ساحل کے خصوصی شمارے کے لیے درج ذیل موضوعات پر تحریروں کا انتظار ہے

[۱] اس جارحانہ نقطۂ نظر کا جائزہ کہ ہندوستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء نے جمعیت العلمائے ہند کے تحت متحد ہو کر اس امر کا اصولی فیصلہ کر لیا تھا کہ اب دیار ہند میں انقلابی جہادی جدوجہد ممکن نہیں رہی ہے لہٰذا اب سیاسی جدوجہد اور انتخابی طریقہ کار کے سوا حالات کو بدلنے کا کوئی دوسرا طریقہ موثر نہیں ہے۔ اس لیے علماء کی اکثریت یا تو کانگریس میں شامل ہوگئی یا مسلم لیگ کی ہمنوا ہوگئی۔ صرف چند ہی علماء ایسے تھے جنھوں نے گوشہ نشینی اختیار کی لیکن اس گوشہ نشینی کے باوجود ان کی واضح ہمدردیاں مسلم لیگ یا کانگریس میں سے کسی ایک گروہ کے ساتھ تھیں۔ اس طریقہ کار کے ذریعے علمائے ہند نے اصولی طور پر یہ طے کر لیا کہ علماء کا گروہ بھی معاشرے کے دیگر گروہوں کی طرح ایک گروہ ہے جو صرف ان معنوں میں دوسرے تمام گروہوں سے ممتاز و افضل ہے کہ دیگر گروہوں کے مفادات صرف گروہ بندی کے دائرے میں محصور رہتے ہیں جب کہ گروہ علماء کے مفادات کا تعلق اصلاً امت کے مفادات یعنی مدارس، مساجد، خانقاہوں کا تحفظ ہے جو ملت کا اجتماعی مفاد ہے تاکہ اسلامی طریقہ تعلیم، تدریس، تربیت محفوظ رہے۔ شعائر دینی کو بچایا جا سکے لہٰذا گروہ علماء کے مفادات اصلاً ملت اسلامیہ کے مفادات تھے لیکن تھے وہ مفادات۔ اس طریقہ کار کے ذریعہ علماء کرام بھی مفادات کی مغربی جمہوری سیاست کے سیل رواں میں شامل ہو گئے جہاں بنیادی حقوق کے فلسفے کے تحت ہر گروہ اپنے مفادات کے تحفظ میں مصروف ہو سکتا ہے۔ یہ اس کا بنیادی آئینی سیاسی قانونی حق ہے۔ اس طریقہ کار کے ذریعے علماء کرام نے مدارس و مساجد کا تحفظ کیا۔ اس اسلوب سیاست کے نتیجے میں علماء نے یہ طے کر دیا کہ اگر مساجد، مدارس، شعائر دینی کو محفوظ رکھنا ہے تو ریاست اور نظام حاضر و موجود سے محاذ آرائی کے بجائے مفاہمانہ و مصالحانہ رویہ رکھنا ضروری ہے۔ اگر نظام حاضر اور ریاست سے ٹکرانے کی روش اختیار کی گئی تو پابندیاں عائد ہوں گی۔ مساجد و مدارس و خانقاہوں کو شدید مشکلات، بندشوں اور مسائل کا سامنا ہوگا اور ان کا کام کرنا ممکن نہ رہے گا۔ جمعیت العلمائے اسلام پاکستان جمعیت العلماء پاکستان و دیگر علماء تنظیمیں جمعیت العلمائے ہند کے نظام فکر کی وارث ہیں جو انیسویں صدی کے اختتام پر انگریزی اقتدار سے کشمکش کے منفی اور سنگین نتائج کی روشنی میں کیے گئے اجتہادات کی پاکستان میں عملاً و علماً وارث ہیں۔ جے یو آئی کے مولانا فضل الرحمان نہایت اخلاص و دیانت داری سے یہ سمجھتے تھے کہ مدارس، مساجد، خانقاہوں، اسلامی تعلیم تربیت و ثقافت و شعائر کا تحفظ ریاستی اداروں میں شمولیت، اقتدار میں شرکت، نظام حاضر سے مصالحت و مفاہمت کے بغیر ممکن نہیں ہے اور اگر نظام حاضر میں ان مذہبی جماعتوں کو کوئی اہم ترین ریاستی عہدہ مل جائے تو یہ اسلام کی قوت و شوکت میں اضافے کا باعث ہوگا۔ لہٰذا علماء کی جماعتوں کی سیاسی روش پر بعض مذہبی حلقوں کا یہ اعتراض درست نہیں ہے کہ علماء کی جماعتیں حصول اقتدار کی دوڑ میں شریک ہو کر وزارت عظمیٰ کا منصب چور دروازے سے حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ اس جدوجہد میں علماء کے ذاتی مفادات نہیں ہیں بلکہ فی الاصل یہ علماء اور ان کی جماعتیں نہایت مخلص ہیں۔ اقتدار میں شراکت یا کسی سطح پر حکومت یا امریکہ معاملات کا مقصد ذاتی مفادات نہیں بلکہ امت کے اجتماعی مفادات کے تحفظ کی ایک موثر کوشش کے سوا کچھ نہیں۔ اس حکمت عملی سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن ان علماء اور ان جماعتوں کی قیادت کے اخلاص و نیت پر کسی قسم کا شک و شبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ بات درست ہے کہ اس طریقہ کار کو اختیار کر کے معزز علماء کرام اور ان کی مذہبی جماعتیں مفادات کے تحفظ کی سیاست کے ذریعے آخر کار [Westren Discourse]

مغربی طرز واسلوب سیاست کے دھارے میں شامل ہوگئیں ہیں لیکن یہ اجتہادی غلطی ہے۔ گناہ کبیرہ یا صغیرہ کا معاملہ نہیں ہے لہٰذا علماء کرام کے ایسے تمام اقدامات کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھنے کے بجائے اسے خطائے اجتہادی کے تناظر میں دیکھا جائے جو ثواب سے خالی نہیں۔ یہ بات دوسری ہے کہ علماء کرام نے تحفظ مساجد و مدارس خانقاء اور شعائر دینی کے لیے مصلحت، مصالحت ومفاہمت پر مبنی جو طرزِ سیاست یا حکمت عملی اختیار کی ہے اس سے نہ مساجد کا تحفظ ہوگا نہ مدارس کا نہ شعائر اسلامی کا۔ گزشتہ پچاس برسوں سے دینی قوتوں کو مسلسل پسپائی ہورہی ہے اور اس وقت ان قوتوں کی حالت یہ ہے کہ یہ سیکولر ازم عریانی فحاشی بلکہ اسلام دشمنی پر مبنی میڈیا مہم کے خلاف موثر احتجاج کرنے کی سابقہ صلاحیت اہلیت واستعداد سے بھی محروم ہوگئی ہیں۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ یہ احتجاج بے فائدہ رہے گا۔ لوگوں کی دینی حمیت دن بہ دن زوال پذیر ہے۔ جنگ اور ڈان جیسے اخبارات جس طرح کی خبریں، تصاویر شائع کررہے ہیں چند سال پہلے پاکستانی معاشرے میں اس کا تصور بھی محال تھا کیونکہ مذہبی قوتیں طاقت ور تھیں۔ اب اس قدر کم زور ہیں کہ تنقیدی بیان بھی دینے کی سکت نہیں رکھتیں لہٰذا علماء کرام اس خطائے اجتہادی والی حکمت عملی کو ترک کر کے انقلابی حکمت عملی اختیار کریں۔ فرد معاشرت اور ریاست اور بازار کی سطح پر علماء کرام ادارتی صف بندی قائم کریں۔ مفادات کے تحفظ کی مغربی سیاست سے اوپر اٹھ کر انقلاب کے احیاء کی جدوجہد کریں خواہ ان کے مفادات ذاتی بھی نہ ہوں کیونکہ مفادات خواہ انفرادی ہوں یا اجتماعی ان کی جدوجہد اصلاً مغربی اسلوب سیاست کی حقانیت کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ اس موقف کا پہلا ناقدانہ جائزہ۔

[۲] اس نقطہ نظر کا جائزہ کہ مغرب اور اسلام اور مذاہب عالم اور اسلام میں مکالمہ ممکن ہی نہیں کیونکہ مکالمہ برابر کی سطح پر ہوتا ہے ان کے درمیان ہوتا ہے جن کی مابعد الطبیعیات [Metaphysic]، علمیت [Epistomology]، کونیات [Cosmology]، منہاج علم [Paradigm of Knowledge]، طریقہ کار [Discourse] یکساں سطح کا ہو اور یکساں ماخذات علم سے اکتساب فیض کرتا ہو۔ اب مغرب و اسلام یا اسلام وادیان عالم میں مکالمہ Dialouge نہیں۔ Monologe ممکن ہے کیونکہ اسلام الحق اور قرآن الکتاب ہے، قرآن کی آیت اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی چیز کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے [یعنی توحید] سے بعض جدیدیت پسند علماء کا یہ استدلال نہایت جاہلانہ اور احمقانہ ہے کہ قرآن کی اس آیت کے ذریعے آج بھی اہل کتاب سے مکالمہ ممکن ہے یہ استدلال اس لئے قابلِ قبول نہیں کہ مکالمے کی دعوت جناب رسالت مآبؐ نے اللہ کے حکم پر اہل کتاب کے سامنے پیش فرمائی، لیکن اہل کتاب نے شرک کو ترک کرنے اور توحید کو اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا اور مکالمے کا آخری موقع کھو دیا۔ اپنے کفر پر قائم رہے اور اپنے آپ کو حق سمجھتے رہے لہٰذا مکالمے کا دروازہ اب قیامت تک کے لیے بند ہوگیا اور اہل کتاب کے شرک پر قرآن نے مہر تصدیق ثبت کر دی لہٰذا مکالمے کی دعوت ٹھیک نہیں ہے البتہ اہل کتاب اور ادیان عالم کو دین حق کی دعوت نہایت احسن طریقے پر پیش کی جاسکتی ہے اور ان کے شبہات اعتراضات سوالات کا علمی وعملی انداز میں موثر جواب لازماً دیا جانا چاہیے۔ اسلام اور مذاہب کے درمیان مکالمے کی حالیہ مغربی کوششیں صرف شر پسندی ہیں جن کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ دنیا میں تمام جنگوں، مشکلات، اختلافات، جھگڑوں کا اصل سبب مذاہب عالم کا کسی ایک موقف پر متفق نہ ہونا ہے جب کہ اصلاً اسلام کے سوا تمام مذاہب عالم اب محض روحانی تعیش [Spritual Luxury] کے طور پر باقی ہیں دنیا میں کوئی مذہب اپنی مذہبی تعلیمات پر عمل درآمد کے لیے ریاست کا طالب نہیں۔ ہر مذہب میں ریاست اور مذہبی تعلیمات الگ الگ ہیں۔ ہر مذہب نے City of man اور City of God کے عیسائی فلسفے کے تحت اپنی الگ دنیا بسالی ہے جو ریاست، سیاست معاشرت، جہاد سے کوئی سروکار نہیں

رکھتے لہٰذا کسی مذہب کا نہ اسلام سے ٹکراؤ ہے نہ دنیا میں کوئی مذہبی ریاست قائم ہے جو اسلام کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرے یا مزاحم ہو اس وقت اصل جنگ تو مغرب کے مذہب سرمایہ داری، مذہب انسانی حقوق اور مذہب آزادی سے ہے جس کی محافظت کے فرائض تمام محرف مذاہب عالم انجام دے رہے ہیں۔ لہٰذا بین المذاہب مکالمے کی تمام مغربی کوششیں مغرب کی دہشت گردی غنڈہ گردی، استبداد، استعمار، توسیع پسندی، اور مغرب کی جانب سے دنیا پر مسلط کردہ جنگوں، خوں ریزی کو لوگوں سے چھپانے کی سنہری کوششیں ہیں تاکہ لوگوں کی توجہ مغربی دہشت گردی کے بجائے خواہ مخواہ مذہبی دہشت گردی کی طرف مرتکز کر کے مغرب کو بچالیا جائے۔ ایک اہم محاکمہ۔

[۳] اس نقطہ نظر کا جائزہ کہ پاکستان میں جماعت اسلامی کے سوا کوئی مذہبی جماعت حاضر و موجود نظام کے خلاف جدوجہد کا شعور فہم ادراک ہی نہیں رکھتی۔ جماعت اسلامی میں صرف لٹریچر کی حد تک اور اپنے فہم اسلام کی اعلیٰ ترین سطح کے باعث صرف نظری طور پر نظام حاضر و موجود کو بدلنے کی شدید خواہش اور علمی ادراک کی حامل ہے کیونکہ جماعت اسلامی اصلاحی نہیں انقلابی جماعت ہے جو چوکھی لڑائی لڑ رہی ہے لیکن عملی طور پر جماعت اسلامی اور ان کے پچانوے فیصد مخلص اراکین و کارکنوں کی اکثریت اس نظام کے خلاف شدید نفرت وعداوت کے جذبات رکھنے کے باوجود اس نظام کو بدلنے کی جدوجہد سے مسلسل دستبردار ہو رہی ہے۔ جماعت اسلامی کی پچانوے فیصد اکثریت کو اس جدوجہد سے دستبرداری کا شدید دکھ ہے لیکن جماعت کی قیادت ابھی تک انتخابی عمل سے اوپر اٹھ کر نظام کو بدلنے کی کوئی خواہش یا امنگ بھی نہیں رکھتی جس کے باعث جماعت اسلامی کی قیادت اور کارکنوں کے مابین خلیج دن بہ دن وسیع سے وسیع ہوتی جا رہی ہے جس کا واضح اظہار جسارت، فرائیڈے اسپیشل میں سید منور حسن کے انٹرویو اور امان اللہ شادیزئی کئی اقساط پر مشتمل انقلابی مضامین سے ہوتا ہے جس میں جماعت اسلامی کی انقلابیت کو نمایاں کیا گیا اور شادیزئی صاحب نے انتخابی حکمت عملی کو ترک کر کے انقلابی حکمت عملی کو اختیار کرنے کے امکانات پر گفتگو کی ہے۔ جماعت اسلامی کے کارکنوں اور قیادت میں خلیج کا حالیہ مظاہرہ نواز شریف کے استقبال کے موقع پر نمایاں ہو کر سامنے آیا۔ قاضی حسین احمد کی واضح ہدایات کے باوجود جماعت اسلامی کے کارکن نواز شریف کا استقبال کرنے کے لیے نہیں نکلے انھیں وہ دن یاد آ گئے جب قاضی حسین احمد نے پاکستان بچانے کے لیے نواز شریف کو اقتدار سے ہٹانے کی مہم چلائی تھی۔ اسلام آباد کے گھیراؤ کا عندیہ دیا تھا اور واجپائی کی لاہور آمد پر واجپائی کے استقبال کو ناکام بنانے کی زبردست جدوجہد کی تھی۔ جماعت اسلامی کے کارکنان مضطرب ہیں کہ پچاس برس کی انتخابی سیاست کے باوجود ان کی قوت کا شیرازہ بکھر رہا ہے اور اقتدار کی منزل تیزی سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ عوام میں جماعت کی مقبولیت اور جماعت سے محبت بھی کم ہو رہی ہے۔ ہر نیا انتخاب شکست میں اضافے کا سبب بنتا ہے کارکن سمجھتے ہیں کہ عزت کا راستہ یہی ہے کہ انتخابات میں حصہ نہ لیا جائے اس کے باوجود ہر انتخابی شکست کے بعد جماعت کی قیادت اگلی شکست کی بھرپور تیاریاں پورے اخلاص، ایمان، جوش و خروش کے ساتھ شروع کر دیتی ہے۔ کارکنوں کی اکثریت کا خیال ہے کہ اگر جماعت اسلامی اقتدار پر قبضہ بھی کر لے تب بھی یہ اقتدار بے نتیجہ رہے گا کیونکہ طاقت و قوت کے مراکز ٹیکنو کریسی، فوج، بیورو کریسی اور عدلیہ کے پاس ہی رہیں گے۔ موجودہ ڈھانچے اور سانچے میں اقتدار سے انقلاب نہیں آ سکے گا کیونکہ طاقت کی منتقلی کے لیے کوئی متبادل ڈھانچہ موجود نہیں ہے کہ قوت کو موجودہ سرمایہ دارانہ اداروں سے اسلامی اداروں کو منتقل کیا جا سکے۔ لہٰذا انتخابات میں سو فی صد کامیابی کے باوجود بھی اصلاً اقتدار انہی عناصر کا رہے گا جو پچاس سال سے حکومت کر رہے ہیں۔ نظام کی تبدیلی کا کوئی مربوط نظام نہ ہونے کے باعث دنیا میں ہر جگہ اسلامی حکومتوں، انقلابی جماعتوں پر حاضر و موجود نظام

غالب آجاتا ہے۔ مذہبی انقلابی پارٹی نظام پر غالب نہیں آتی۔ تمام طاقت ور ادارے پارٹی کو نظام کا حصہ بنا لیتے ہیں کیونکہ اسلامی تحریکوں کے پاس کوئی ایسا فطری ادارہ موجود نہیں ہے جہاں قوت کو منتقل کیا جاسکے لہٰذا انتخابی عمل میں شرکت دراصل انقلابی عمل کو موخر کرنے کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ اس نقطۂ نظر کا تجزیہ۔

[۴] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ مولانا مودودیؒ کا نظام فکر و فلسفہ عملاً معاشرتی سطح پر کسی تبدیلی کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ یہ فلسفہ اس بات کے ادراک سے قاصر ہے کہ ادارتی صف بندی کے بغیر انقلاب نہ کبھی برپا ہوتا ہے اور اگر اتفاقاً برپا بھی ہو جائے تو قائم و دائم نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ حاضر و موجود نظام کے متوازی ادارتی صف بندی کے بغیر موجودہ نظام کی طاقت کے مراکز سے طاقت کی منتقلی متوازی اداروں کو ممکن نہیں رہتی۔ مولانا مودودیؒ کے فکر کی دوسری بڑی کمزوری یہ ہے کہ ان کے یہاں لبرل ازم کے خلاف کوئی نقد نہیں۔ اسی باعث وہ موجودہ لبرل اداروں کو عین اسلامی سمجھتے ہیں اور انہی اداروں کے ذریعے اسلامی انقلاب کے خواب کو شرمندۂ تعبیر دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس اعتبار سے مولانا مودودیؒ کے اصل فکری جانشین خرم جاہ مراد اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہی ہیں۔ خرم جاہ مراد بھی یہی کہتے ہیں کہ ''انقلاب ہو یا اصلاح پہلے معاشرہ یا پہلے سیاسی جدوجہد جو بھی حکمت عملی ہو انسان درکار ہوں گے ان کا صحیح بھرپور استعمال ضروری ہوگا، ووٹ ہو یا لڑائی یہ انسان کریں گے کیونکہ ہم انسانوں کی مطلوبہ تعداد کو ساتھ لے کر چلنے میں کامیاب نہیں ہوئے اس لیے لاحاصل بحثوں سے دل بہلاتے ہیں۔ ایک دفعہ انسان فراہم ہو جائیں گے تو جو تدابیر اختیار کریں گے وسائل فراہم ہو جائیں گے۔ [مغرب اور عالم اسلام، خرم مراد، ص ۳۱۶] یعنی انقلاب نہ آنے کی وجہ انسانوں کی کمی ہے۔ افرادی قوت اصل مسئلہ ہے یعنی ''حبل الناس'' کے بغیر اسلامی انقلاب برپا نہیں ہوسکتا، یہ تصور انبیاء کرام کی پوری تاریخ کے استرداد پر کھڑا ہے۔ قوم لوط، سورہ یٰسین کا مرد مومن، اصحاب کہف، اصحاب الاخدود، واقعہ فیل، قوم نوحؑ سب محترم خرم مراد کے نقطۂ نظر کی تاریخی تردید کے لیے کافی ہیں۔ جان لاک کی الٰہی جمہوریت اور جماعتِ اسلامی کے ارادہ عمومی کے لازماً اسلامی ہونے کے نقطۂ نظر کی مماثلت واضح ہے۔ ڈاکٹر اسرار کا یہ دعویٰ بالکل درست ہے کہ وہی مولانا مودودیؒ کے فکری ورثے کے اصل حامل اور امین ہیں کیونکہ ڈاکٹر اسرار صاحب بھی موجودہ نظام کو زیر و زبر اور تہس نہس کیے بغیر اسے کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لینا چاہتے ہیں ان کا خیال بھی یہی ہے کہ مغرب میں سب کچھ اسلام ہے۔ صرف کلمہ کا اقرار باقی ہے۔ اگر مغرب والے کلمہ پڑھ لیں تو ان سے سچا پکا مسلمان اس وقت روئے ارض پر کون ہوسکتا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کا بھی خیال یہی ہے کہ اگر ایک لاکھ آدمی جمع ہو جائیں تو انقلاب آجائے گا جب کہ عہد حاضر میں جدید نظام کا ایسا تانا بانا بن دیا گیا ہے جو کسی فرد کے جانے کسی نئے فرد کے آنے، کسی جماعت کے کامیاب ہونے سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ جدید مغربی سیاسی نظام میں قوت فرد، افراد یا جماعت کے پاس نہیں ریاستی اداروں اور سرمایہ دارانہ نظام کے پاس رہتی ہے۔ بادشاہت میں یہ ممکن تھا کہ بادشاہ مرجائے یا قتل کر دیا جائے تو قوت چھن جائے اور کسی دوسرے کے ہاتھ میں آجائے۔ جمہوریت تو ایک ایسی بادشاہت اور آمریت ہے جو کبھی نہیں مرتی لہٰذا جمہوری نظام میں کسی تبدیلی تغیر کا کوئی امکان نہیں، صرف اس نظام میں لادینیت، سرمایہ داری، مادیت اور دنیا پرستی کو ہی دوام مل سکتا ہے۔ مغرب نے جدید سیاست و ریاست کا ایسا جال بُنا ہے جس میں جانے کے بعد کوئی باہر آنا بھی نہیں چاہتا اور اس جال میں جانے والا جال کے پانی میں اس طرح تحلیل ہو جاتا ہے جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ مولانا مودودیؒ خرم مراد، خورشید احمد، اور ڈاکٹر اسرار صاحب کے یہاں جدید سیاسی نظام کو زیر و زبر کرنے کا کوئی ادراک نہیں ملتا یہی حال دیگر انقلابی تحریکوں کا ہے۔ وہ اسی نظام میں اسلام کی قلم لگا کر شجر اسلام کی آبیاری چاہتے ہیں جب کہ ایلوے کے درخت میں آم کی قلم

میٹھے پھل کی ضمانت نہیں بن سکتی۔ کیا یہ نقطہ نظر درست ہے۔ ایک محاکمہ۔

[۵] اس نقطہ نظر کا جائزہ کہ گزشتہ انتخابات میں صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان میں اسلامی قوتوں کو کامیابی دلائی گئی تھی تا کہ یہ اسلامی قوتیں طالبان کی حمایت سے عملاً دست کش ہو جائیں اور ریاست حکومت اقتدار اور حزب اقتدار میں شمولیت کے باعث جمہوری سیاسی تقاضوں کے تحت سمجھوتوں کی سیاست کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس طرح مجاہدین اور مذہبی سیاسی جماعتوں کے درمیان عملاً ایک خلیج قائم کر کے دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے تا کہ تنہا مجاہدین کا بھرپور مقابلہ ریاستی سطح پر کیا جا سکے۔ اس حکمت عملی کے باعث یہ ممکن ہو سکا کہ وانا، شمالی علاقوں، قبائلی علاقوں میں مجاہدین اور ان کے حامیوں کے خلاف گزشتہ پانچ سال سے ریاستی سطح پر نہایت کامیاب اور فیصلہ کن کارروائیاں ہو سکیں اور سرحد اور بلوچستان کی حکومتوں کی جانب سے وفاقی حکومت کو مکمل خاموش حمایت حاصل رہی اور بیان بازی کے سوا بات آگے نہ بڑھ سکی۔ جماعت اسلامی سرحد کے سینئر وزیر سراج الحق نے بمباری کے خلاف احتجاجاً استعفیٰ دیا تو نائب امیر جماعت لیاقت بلوچ نے اس استعفیٰ کے متن و مباحث کی تردید کرتے ہوئے بیان جاری کیا کہ حکومت سے سراج الحق کی علیحدگی کا اصولی فیصلہ ہو چکا تھا۔ بمباری سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ عالمی مغربی حکمت عملی یہی ہے کہ آئندہ انتخابات میں بھی جماعت اسلامی کو زیادہ نشستیں دلائی جائیں تا کہ جماعت اسلامی کو موجودہ سیاسی نظام کا حصہ بنا کر اس کے ممکنہ مخفی انقلابی عمل کو معطل رکھا جا سکے تا کہ جماعت اسلامی نہ صرف سیاسی سطح پر کم زور ہو بلکہ اندرونی اختلافات کے باعث اس کی تنظیم بھی کم زور ہو اور اس کی انقلابیت سیاست کے صحراء میں گم ہو جائے؟ اس اہم تجزیے کا تجزیہ۔

[۶] بالٹی مور میں ایک امریکی عدالت نے Envagelical Church کے خلاف مقدمے کا فیصلہ کرتے ہوئے متعلقہ کلیسا کو گیارہ ملین ڈالر بطور ہرجانہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اے ایف پی کی خبر کے مطابق ۲۰۰۶ء میں ایک امریکی شہری Albert Synder کے بیس سالہ بیٹے کی تجہیز و تکفین کے موقع پر کنساس کے متعلقہ چرچ Westboro Baptist Church کے حامیوں نے جلوس نکالا اور نعرے لگائے کہ عراق امریکہ جنگ امریکہ کی جانب سے ہم جنس پرستوں کو آزادی دینے کے باعث عذاب الٰہی کی شکل ہے۔ واضح رہے کہ امریکی شہری کا بیٹا عراق میں فوجی خدمات کے دوران مارا گیا تھا۔ اس موقع پر چرچ کے رہنماؤں اور حامیوں نے درج ذیل بینر اٹھائے ہوئے تھے۔ Thank God for dead soldier, Fag Troops اس مظاہرے کے خلاف آنجہانی فوجی کے والد نے چرچ کے بانی Fred Phelps اور اس کی دو بیٹیوں کے خلاف ہرجانے کا مقدمہ دائر کیا تھا اور وہ یہ مقدمہ جیت گئے۔ چرچ کے وکیل نے اپنے دفاع میں یہ نقطہ نظر اختیار کیا کہ تجہیز و تکفین ایک عوامی تقریب Public Event تھی۔ اس موقع پر ان کے موکلوں کی جانب سے جلوس، نعرے بازی، پوسٹر، پمفلٹ، ہینڈ بل، بینر اظہار رائے کی آزادی کے زمرے میں آتے ہیں اور یہ ان کا بنیادی حق ہے جسے امریکی آئین اور اقوام متحدہ کے یو این چارٹر آف ہیومن رائٹس کا تحفظ حاصل ہے جس کے تحت مذہبی جذبات کے آزادانہ اظہار کی مکمل آزادی حاصل ہے۔ چرچ کا موقف یہ ہے کہ عراق میں امریکی کے فوجیوں کی ہلاکت کا اصل سبب ہم جنس پرستوں سے غض بصر ہے۔ [AFP 16-N,07] امریکی عدالت کا یہ فیصلہ دنیا بھر کی مذہبی انقلابی احیائی اسلامی تحریکوں کے لیے ابھی تک آنکھیں کھولنے کا سبب نہیں بن سکا ہے اور وہ ابھی تک بنیادی حقوق کے مغربی فلسفے کو عین اسلامی ثابت کرنے میں مصروف ہیں۔ ساحل نے جولائی ۲۰۰۷ء میں بنیادی حقوق کے فلسفے پر بعض اہم مباحث پیش کیے تھے جن کی تصدیق اس فیصلے سے ہو گئی ہے وہ دن دور نہیں ہے جب تمام اسلامی ممالک میں بھی اسلامی جماعتوں کے خلاف عدالتیں اسی قسم کے فیصلے دیں گی

اور یہ بے چاری اسلامی جماعتیں منکرات کے خلاف اظہار رائے کی آزادی سے اسی حق اظہار رائے کے ذریعہ محروم ہوجائیں گی۔تب انھیں معلوم ہوگا کہ آزادی اظہار رائے کا حق صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو نفس انسانی کے سوا کسی خارجی ذریعے سے احکامات اخذ نہیں کرتے جو آزادی یعنی نفس کی حاکمیت کو ماخذ قانون تسلیم کرتے ہیں کیونکہ جو لوگ مذہب کے نام پر خارج سے یا وحی سے یا اپنے سوا کسی اور سے احکامات اخذ کرتے ہیں وہ جاہل لوگ ہیں اور ایسے لوگوں کے لیے بنیادی حقوق کے فلسفے میں کوئی جگہ نہیں ہے۔حقوق انسانی کا ایک اور جائزہ۔

[۷] چین میں ایک بچے کی ولادت کی اجازت کے فلسفے نے صرف ۲۵ برسوں میں چین کی آبادی پر خطرناک منفی اثرات مرتب کیے جس کے نتیجے میں عورتوں مردوں کے تناسب میں حیرت انگیز کمی ہوئی۔لڑکیوں کی تعداد اس قدر کم ہوگئی کہ چینی لڑکوں کو شریک حیات بنانے کے لیے لڑکیاں دوسرے ملکوں سے درآمد کرنا پڑیں۔اب یہی صورت حال ویت نام کے ساتھ درپیش ہے۔ویت نام میں صرف دو بچوں کو پیدا کرنے کی اجازت تھی لہٰذا شادی شدہ جوڑوں نے لڑکوں کو ترجیح دی۔ویت نام میں اسقاط حمل کی قانونی اجازت اور الٹراساؤنڈ کے ذریعے ابتدائی طور پر بچے کی جنس معلوم کرنے کی سہولت کے باعث آغوش مادر اور گہوارے میں غیر طبعی موت کے بجائے اب بچوں کو رحم مادر میں ہی غیر طبعی موت سے ہمکنار کر دیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں ویت نامی آبادی میں لڑکیوں کی تعداد حیرت انگیز تک کم ہوگئی ہے۔۱۲۳ لڑکوں کے لیے صرف ۱۰۰ لڑکیاں ہیں جس کے باعث معاشرتی زندگی بحرانوں کا شکار ہورہی ہے۔چین اور ویت نام نے ایک اور دو بچوں کی پابندی کی شرائط عائد کرتے ہوئے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اگر چین میں پہلا بچہ جڑواں ہو اور ویت نام میں پہلا یا دوسرا تو بچے لازماً دو اور تین ہوجائیں گے اور جدید ٹیکنالوجی کے باعث من پسند جنس حاصل کرنے کی سہولت ان جدید معاشروں کے لیے بھیانک خطرات اور بھیانک جرائم کی سوغات لے کر آئے گی۔ بھارت، چین، یورپ، امریکہ، جاپان دنیا کے جدیدیت پسند اور مہذب ترین ملک سمجھے جاتے ہیں مگر ان مہذب سولائزڈ ملکوں کے بڑے بڑے مہذب لوگ جن میں عورتیں اور مرد یکساں طور پر شامل ہیں رحم مادر میں اسقاط حمل کی جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے روزانہ ہزاروں بچیوں کے قتل عام کا کھلم کھلا ارتکاب کرتے ہیں یہ اسقاط شادی شدہ لوگ کراتے ہیں اور غیر شادی شدہ جوڑوں کی جانب سے اسقاط کی شرح لاکھوں میں پہنچ چکی ہے۔لیکن ان قاتلوں کو نہ کوئی قاتل کہتا ہے نہ خونی نہ ان مجرموں کے لیے قانون میں کوئی سزا ہے۔قاتل عموماً غیروں اجنبیوں کو قتل کرتا ہے مگر عہد جدید نے ایسے سفاک وحشی درندے قاتل پیدا کیے ہیں جو مقتول کے لیے اجنبی نامانوس اور غیر نہیں بلکہ اس کے سگے ماں باپ ہیں۔دنیا کی تاریخ میں اکیس تہذیبیں موجود رہی ہیں کہیں کسی تہذیب کے ماں باپ اتنے ذلیل سفاک اور محبت سے خالی نہیں تھے جس طرز کے سفاک انسان ماں باپ کی شکل میں مغربی تہذیب نے پیدا کیے ہیں۔جدید انسان [Modren Man] وہی ہے جو سترہویں صدی میں روشنی کی حالت میں پیدا ہوا اس روشن خیال درندے کی درندگی پوری دنیا کے لیے خطرہ بنتی جارہی ہے۔اس خطرے سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں کی جارہی۔جدید سائنس وٹیکنالوجی اور جدید زندگی کا سب سے زیادہ نقصان عورتوں کو پہنچا ہے۔اسقاط حمل کے جدید طریقوں کے ذریعے مردوں کی زناکاری کو محفوظ بنادیا گیا لیکن اس کے نتیجے میں عورت نہ صرف حیاء، عزت وعفت سے محروم ہوئی بلکہ نکاح کے رشتے سے بھی محروم ہوگئی اور مرد نے اسے اسقاط حمل کے جدید ذریعوں کے ذریعے اپنی محفوظ ہوس ناکی کا نشانہ بنالیا ہے۔قدیم تہذیبوں معاشروں میں زنا ممکن نہیں تھا اور زنا کرنے والی عورت بچہ جن کر اپنے اور مرد کے گناہ کا اعلان کر کے اسے قابل سزا جرم بنا سکتی تھی۔قدیم تہذیبوں میں حرام کاری کرنے والے ایک دوسرے کے شریک زندگی بنادیے جاتے تھے۔اسلام نے بھی یہی حکم دیا کہ زانی

کا نکاح صرف زانیہ کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے زنا کے مجرموں پر حدود کا نفاذ کرنے کے بعد ان کی آپس میں شادی کرائی جاسکتی ہے لیکن جدید مغربی تہذیب نے حلت وحرمت کے پیمانے ہی بدل دیے۔ مغرب میں جہاں مرد پہلے بھی محفوظ تھا لیکن اب محفوظ تر ہوگیا اور عورت تر نوالہ بن گئی ہے۔ شادی شدہ عورتوں کے ساتھ دوسرا ظلم جدید سائنس وٹیکنالوجی نے یہ ڈھایا کہ بچے کی جنس کا قبل از وقت پتہ چل جاتا ہے لہٰذا بچیوں کے قتل کے ارتکاب کو ممکن بنا دیا گیا جس کے نتیجے میں آبادیوں کا توازن بگڑ گیا اور ان عورتوں کی صحت بھی غیر متوازن ہوگئی جو جدید طریقوں سے قبل از حمل اسقاط اور بعد از حمل اسقاط کرانے پر آمادہ ہیں۔ ان مصنوعی طریقوں کے باعث عورتوں میں کینسر سمیت بے شمار ایسی بیماریاں پیدا ہوگئی ہیں جن کا پوری انسانی تاریخ میں سراغ نہیں ملتا۔ غیر فطری زندگی کا حاصل غیر فطری بیماریاں اور غیر فطری نقصانات ہیں جنھیں آزادی، مساوات، جدید سائنس وٹیکنالوجی کے نام سے خوبصورت نام دے دیئے گئے ہیں۔ دنیا کی تمام اقوام میں عورت اور مردوں کی تعداد کا جائزہ اور گزشتہ پچاس برس میں اس توازن میں آنے والے تغیرات کا پہلا محاکمہ۔

[۸] عہد حاضر کے جدید بت پسندوں سے عہد قدیم کے وہ وحشی عرب اچھے تھے جو اپنی بچیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے لیکن اس عمل کے بعد ان کی ساری زندگی ضمیر کی ملامت کے زیر سایہ بسر ہوتی اور احساس گناہ شدت کے ساتھ ان پر سایہ فگن رہتا۔ اسی لیے اسلام لانے کے بعد بعض صحابہ کرام جب اپنے عہد جاہلیت کے وہ واقعات سناتے جن میں اپنے ہاتھوں سے اپنی بچیوں کو گاڑنے کا حزینہ اور المیہ بیان ہوتا تو بیان کرنے والوں اور سننے والوں کی ہچکیاں بندھ جاتیں، سسکیاں سنائی دیتیں اور ماحول سوگوار ہوجاتا۔ جدید تہذیب جدید سائنس وجدید ٹیکنالوجی نے وہ مہارت اور کمال مہیا کر دیا ہے کہ انسان ضمیر کی خلش ضمیر کی ملامت اور کچوکوں سے محفوظ ہوگیا ہے۔ وہ ضمیر کے ملبے سے اٹھنے والی چیخوں آہوں کراہوں اور آنسوؤں سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اسقاط قبل از حمل اور بعد از حمل اس قدر پُرکاری سے کیا جاتا ہے کہ احساس گناہ کا تصور بھی آنے نہیں پاتا۔ گناہ کرنے والا گناہ کرنے کے بعد اس کے ابلاغ سے بچ جانے پر ایک عجیب سرشاری، مسرت کے جذبات سے لبریز ہوجاتا ہے اور نئے حوصلے، امید اور امنگ کے ساتھ نئے نئے گناہ کے لیے آمادہ ہوجاتا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی اسے وہ لمحہ فرصت مہیا نہیں کرتی جس میں وہ گناہ کی خلش محسوس کر سکے اسی لیے جدید سائنس وٹیکنالوجی انسان کو احساس گناہ سے محفوظ رکھنے کی ٹیکنالوجی ہے۔ جدید ہتھیاروں کے پس پشت بھی یہی مابعد الطبیعیات ہے۔ پہلے انسان تلواروں اور نیزوں سے لڑتا تھا تو اپنے دشمن کو اپنے سامنے گرتے، مرتے زخمی ہوتے کراہتے ہوئے خون میں لتھڑا ہوا دیکھتا تھا۔ یہ خون اس کے قلب و ذہن پر ایک اثر ڈالتا تھا اور اگر یہ خون بلاوجہ بہا گیا ہوتا تو بہانے والوں کے اعصاب شل کرتا ان کی نفسیات میں احساس جرم کو شامل کرتا اور ان کے دل اور ذہن پر دائمی ملامت طاری کر دیتا تھا جس کے باعث سپاہی اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہہ کر یا تو یہ پیشہ ترک کر دیتے یا بغاوت کر دیتے یا ظلم میں حصہ دار بننے سے رک جاتے یا ظلم کو ایک حد سے آگے بڑھنے نہ دیتے یا ساری زندگی توبہ، آہ وزاری، غم واندوہ اور احساس ندامت میں بسر کر دیتے لہٰذا انسانوں کے جذبات نفسیات اور احساس گناہ کے پیش نظر وہ جدید ہتھیار بنائے گئے جو بہت دور سے ہدف کے خلاف استعمال کیے جاسکیں تاکہ نہ تو ہتھیار چلانے والوں کو کسی کی آہ اور کراہ سنائی دے نہ اس کا خون دکھائی دے نہ اس میں احساس ملامت احساس گناہ کا امکان پیدا ہو۔ جدید ہتھیاروں کی ایجادات کے پس پشت مابعد الطبیعیات کا پہلا ناقدانہ جائزہ۔

[۹] اس نقطہ نظر کا جائزہ کہ جماعت اسلامی کا کل بنیادی فکری سرمایہ اسی کی ذہنی ابتدا اور انتہا حضرت مولانا مودودیؒ کا فہم اسلام اور ان کے تصورات ہیں۔ گزشتہ چالیس پچاس سال کے دوران اس میں کوئی قابل ذکر اضافہ یا توسیع نہیں ہوئی۔

جماعت میں فکری ونظریاتی وعلمی ارتقا گزشتہ پچاس تیس سال میں بہت کم ہوا ہے۔ مولانا مودودی مرحوم ومغفور کے بقول[تقسیم سے عین پہلے کی ان کی تقریر مدراس کے حوالے سے] قائم ہی اس لیے کی گئی تھی کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام ونفاذ کے لیے ''مردانِ کار'' تیار کرے۔ جماعت اسلامی کے ابتدائی ۷۵ اراکین میں سے بیشتر اہل علم، علماء، دینی مفکرین تھے جو جلد اس سے الگ ہوگئے اور جماعت ان اکابرین کی سطح کے نئے مردان کار تیار نہ کرسکی۔ لے دے کر غلام علی، نعیم صدیقی، غلام جیلانی و عبدالحمید صدیقی پر یہ سلسلہ بھی ختم ہوگیا اس کے ساتھ ساتھ بلند پایہ اور ممتاز علمی [جدید وقدیم] شخصیات کی جماعت میں شمولیت کا عمل نہ ہونے کا عمل تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ بحیثیت مجموعی اس وقت جماعت کے فکری وذہنی ذخیرہ اور سرمایہ Brainstrust یا امریکی محاورہ میں Think Tank کی بنیاد [Base] بہت محدود ہے اور معاصر دنیا میں زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام نافذ کرنے کی مدعی ایک جماعت کی علمی وذہنی وفکری ضروریات کے لیے سخت ناکافی ہے۔ لیکن جماعت اپنے دستور میں بیان کردہ جو مقصد اپنے سامنے رکھتی ہے، اس کے لیے جدوجہد کرنے اور ذہنی وفکری وعملی رہنمائی دینے کے لیے جس طرح کی قیادت درکار ہے، جماعت کما حقہ اس سے بہرہ ور نہیں ہے۔ علمی، عملی، فکری اور فلسفیانہ بنیادوں پر حرکت وتغیر اور ارتقاء کی رفتار ہوش ربا ہے۔ اندریں حالات معاصر دنیا میں اسلام کے لیے کام کرنے والی کسی تنظیم کو جس ذہنی وفکری وعلمی ونظریاتی سرمایہ کی ضرورت ہے، اس کی اہمیت سے ایک لمحہ کے لیے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ ہاتھوں کی انگلیوں پر گنے جاسکنے والے افراد کو چھوڑ کر جماعت کے اکثر کارکنوں اور رہنماؤں کو دورِ حاضر میں ایک اسلامی تحریک کو درپیش چیلنجوں کا شاید ادراک بھی نہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس زمانہ کے بہت سے مسائل مہمہ ان کے فہم اسلام میں کوئی مقام اور اہمیت ہی نہ رکھتے ہوں۔ مثلاً آج کی دنیا کا ایک بڑا مسئلہ شمال اور جنوب کے تعلقات، مغربی فکر وفلسفہ جدید سائنس وٹیکنالوجی کے مسائل، مذہب سرمایہ داری آزادی اور بنیادی حقوق کی بحثیں، مذہب کے مستقبل کے امکانات، نیوکالونیل ازم، مغرب میں عیسائیت کا فروغ، مذہب اور مذہبی قوتوں کو سیکولرائز کر کے انھیں مغرب کا حلیف بنانے کی کوشش، بین المذاہب مکالمے کے نام پر اسلام کے مسلمات میں خاموش تبدیلی، نئے بین الاقوامی اقتصادی نظام[NIEO] کی جدوجہد، جنوب جنوب کے درمیان اشتراک عمل کے مسائل اور مشکلات، مشرق ومغرب کے تعلقات کی پیچیدگیاں اور تہہ در تہہ اور خفیہ اور علانیہ مسابقت اور تعاون اور تدبیلیاں اور لہریں، ویلفیئر سٹیٹ [رفاہی ریاست] کی مختلف کافرانہ شکلیں، اس کے نتائج، اس کے قیام کے مفاسد، مشکلات اور مطالبات، مغربی یورپ کے مختلف ممالک میں دائیں بائیں کی کشمکش کے اتار چڑھاؤ، پوری کمیونسٹ دنیا کے اندر رونما ہونے والی تبدیلیاں اور ان کے مضمرات، امریکہ کی متبادل قوتیں یورپ، چین، جرمنی کا مستقبل میں سرمایہ داری کے محافظ کی حیثیت سے کردار، اور ایسے ہی بے شمار مسائل ہیں جن پر ماہرانہ، ناقدانہ اور حقیقت پسندانہ نظر رکھنا اور اس سے نتائج اخذ کرنا کسی بھی ایسی تحریک اور تنظیم کے لیے ناگزیر ہے جو نظام میں کسی قابل ذکر تبدیلی کے لیے کام کرنے کی مدعی ہو، فکری اور فلسفیانہ عمرانی بحثیں اس پر مستزاد ہیں لیکن جماعت اسلامی ان مباحث پر چپ ہے اور ترجمان القرآن بھی۔ جو تنظیم ذہنی وفکری سیادت اور برتری کی حامل نہ ہو نظریاتی تنظیم کا دعویٰ رکھتے ہوئے بھی اگر تمام مروجہ فلسفوں اور نظریات اور معاصر رجحانات پر نظر نہ رکھتی ہو تو وہ کوئی قابل قدر علمی، عملی ونظری تبدیلی نہیں لاسکتی۔ اس نقطۂ نظر کا ناقدانہ جائزہ۔

[۱۰] اصغر ندیم سید کے کالم کے مطابق ''اقبال اور فیض احمد فیض کے ایک نقاد اور شارح پروفیسر خواجہ مسعود صاحب ہیں جو ملک کے نامور دانشور اور استاد ہیں جن کی عمر ۷۰ سال ہے اور ملک میں ان کے شاگردوں میں کئی نامور ہستیوں کے ساتھ وزیراعظم شوکت عزیز صاحب بھی شامل ہیں۔ روزنامہ جنگ کے عمر چیمہ کی رپورٹ کے مطابق اکادمی ادبیات میں جب پروفیسر خواجہ

مسعود صاحب نے ایک عسکری دانشور بریگیڈیئر[ر] خواجہ طارق محمود کی کتاب پر بات کرتے ہوئے موجودہ قومی صورت حال پر تبصرہ کیا تو وفاقی وزیر شیرافگن غصے میں بپھرے ہوئے ان کی زبان کھینچنے کے لیے اٹھے۔ ان کے ساتھ ریٹائرڈ بریگیڈیئر صاحب بھی لپکے اور پروفیسر خواجہ مسعود کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے شرافگن کی معاونت کرنے لگے۔ بزرگ و دانشور خاموشی سے اپنی سرکوبی کا منظر برداشت کرتے رہے۔ وہاں خاموش اکثریت کے نمائندے جسے ہم سول سوسائٹی کے لوگ بھی کہہ سکتے ہیں موجود تھے اور حسب عادت خاموش بیٹھے تھے۔ صرف ایک خاتون ثمر من اللہ اپنی دس سالہ بیٹی کے ساتھ کھڑی ہوئیں اور اپنا احتجاج ریکارڈ کرایا'' کیا سول سوسائٹی کے لوگ بہت زیادہ Tolerant ہوتے ہیں کہ اس طرز عمل پر چپ رہتے ہیں؟ کیا مہذب لوگوں کی گفتگو کا طریقہ یہی ہوتا ہے؟ اس صورت حال پر تمام سامعین کی بے حسی کے اسباب کیا تھے یہ بے حسی قومی منظر نامے پر کیوں محیط ہوگئی ہے؟ کیا وجہ ہے کہ اسلام پسند اور ترقی پسند دانشور ادیب و شاعر و صحافی کسی نہ کسی حکمران سے لازماً اچھی رسم وراہ رکھنے کے لیے تاویلات کے سنہری پھندے تیار کرتے ہیں۔ ان میں بہت کم ایسے ہیں جو اقتدار و اختیار کے مراکز سے خاص فاصلے پر رہنا پسند کریں جیسے ضمیر نیازی، غلام جیلانی مدیر ایشیا، عبدالکریم عابد مدیر جسارت، پروفیسر محمد سلیم منصورہ اورینٹل کالج، اور اپنے کردار کو محفوظ رکھنے اور وفاداریوں کا صلہ حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ دائیں اور بائیں بازو والوں کے کردار سے محرومی کے اسباب کا پہلا تقابلی جائزہ۔

[۱۱] روز نامہ ڈان میں افشاں صبوحی کی رپورٹ کے الزامات کا جائزہ جس کے مطابق ''بے نظیر بھٹو کے بارہ گھنٹے کے استقبال پر اٹھنے والے اخراجات ۳۰۰ ملین روپے ہیں ملک بھر سے ایک ہزار بسیں کراچی لائی گئیں جن کا روزانہ کرایہ بیس ہزار روپے تھا ملک کے ہر قصبے دیہات شہر تحصیل سے لوگوں کو پی پی پی کی مقامی قیادت کی زیر نگرانی کراچی لایا گیا اس سیر و تفریح کے تمام تر اخراجات پارٹی نے اپنے ذرائع سے ادا کیے [DAWN 18 Oct] اتنے بڑے انتظامات کا مقصد یہ تھا کہ کوئی حادثہ ہوجائے تو ملک بھر کے چھوٹے سے چھوٹے گاؤں تک زخمی و ہلاک ہونے والوں کی آہ و بکا عینی شاہدین اور لاشوں اور زخمیوں کے ذریعے پہنچ کر بے نظیر بھٹو اور پارٹی کے چہرے پر پڑنے والے ان داغ دھبوں کو دھونے کا باعث بن جائے جو نئے مصالحتی آرڈیننس کے باعث بے نظیر اور پارٹی کی دنیا بھر میں رسوائی کا باعث بنے ہوں مصالحتی آرڈیننس کے ذریعے بے نظیر کے گناہ گار ہونے اور رشوت لینے کے الزامات مشرف حکومت نے سچ ثابت کردیے..... کیا مشرف حکومت کی اس حکمت عملی نے بی بی کو ناقابلِ تلافی نقصان نہیں پہنچایا؟ جس کا ردعمل نصیر اللہ بابر اور قاضی انور ایڈووکیٹ جیسے مخلص لوگوں کے استعفیٰ کی صورت میں سامنے آیا تھا انتخابات میں پاکستان کی سیاسی جماعتیں ایک ایک امیدوار پر کتنے لاکھ روپے خرچ کرتی ہیں جاپان، اٹلی، امریکہ اور برطانیہ میں انتخابی مہمات پر کتنے ارب ڈالر خرچ کیے جاتے ہیں اعداد و شمار کی روشنی میں پہلا جائزہ اور اس بات کا جائزہ کہ دولت کی اس جنگِ جمہوریت کے بارے میں عوام یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ حکومت عوام کی ہوگی جبکہ اصلاً اقتدار ان لوگوں کو منتقل ہوجاتا ہے جو سیاسی جماعتوں کو مختلف ذرائع سے مالی مدد مہیا کرتے ہیں۔ پاکستان کی نوے فی صد آبادی کو یہ معلوم نہیں کہ ان کا کونسلر، یوسی ناظم، قومی و صوبائی اسمبلی کا ممبر کون ہے، لیکن یہ تمام لوگ اس کی نمائندگی کررہے ہیں۔ ان لوگوں سے عدم رابطے کے باوجود عام آدمی اپنی زندگی خیر و خوبی سے بسر کررہا ہے لیکن اس فریب و دھوکے میں مبتلا ہے کہ یہ لوگ میرے ووٹ سے منتخب ہوتے ہیں اور میری نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ منتخب ہونے والے کیا کیا فائدے اٹھاتے ہیں؟ پاکستان اور امریکہ و یورپ کے ان دولت مندوں کی کہانیاں جنہوں نے مالی سیاسی مدد کے بعد کس کس طریقے سے مالی فوائد حکمرانوں سے حاصل کیے۔ مغرب میں ملٹی نیشنل کمپنیاں منتخب ہونے والی حکومتوں سے کس طرح فوائد اٹھاتی ہیں امریکہ، یورپ

سے لے کر ایشیاء تک جمہوریت کے نام پر مالی بدعنوانیوں پر مبنی انتخابی مہمات کا پہلا ناقدانہ جائزہ اعداد و شمار کی روشنی میں [۱۲] ترکی فوج کے ذریعے پہلی جنگ عظیم کے موقع پر مبینہ طور پر ۱۹۱۵ میں پندرہ لاکھ آرمینیائی لوگوں کے قتل عام کے خلاف امریکی ایوان نمائندگان میں نوے سال کے بعد ایک قرارداد کے ذریعے اس سانحے کی مذمت اور اسے Genoside قرار دینے کی تجویز نے امریکہ اور ترکی کے تعلقات میں کشیدگی پیدا کر دی ہے ترکی نے امریکی سفیر کو طلب کر کے اس بات کی دھمکی دی کہ وہ بری بحری فضائی راستوں سے امریکی اسلحہ اور دیگر سامان کی افغانستان، عراق ترسیل کی سہولتیں ختم کر سکتا ہے کیونکہ آرمینیائی لوگوں کے قتل عام کا الزام تاریخی طور پر غلط ہے افغانستان اور عراق اور اب ایران پر حملوں کے سلسلے میں ترکی کی سرزمین کی امریکہ کے لیے بے حد اہمیت رکھتی ہے اور آرمینیائی قتل کا معاملہ ایسے نازک وقت میں اٹھانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ترکی پر مزید دباؤ بڑھا کر اس سے مزید فوائد اٹھائے جا سکیں۔ امریکی وزارت دفاع کے مطابق اس وقت ۷۰ فیصد سے زیادہ امریکی فوجی ساز و سامان کی عراق ترسیل کا واحد ذریعہ ترکی کی سرزمین ہے افغانستان اور ایران کے معاملے میں بھی دفاعی ترسیلات میں ترکی کا اہم کردار ہے لہٰذا ترکی کو دباؤ میں لانے کے بعد رائٹر کے ذریعے وہائٹ ہاؤس کے موقف پر مبنی یہ خبر جاری کرائی گئی کہ

Congress has more important work to do than antagonising a democratic ally in the Muslim world specially one that's providing vital support for our military every day.

اس خبر کے ذریعے یہ بھی بتا دیا گیا کہ امریکی Pregmatism کے تحت بے ضرر اور بے گناہ قوم کو بھی مجرم اور گناہ گار ثابت کیا جا سکتا ہے اور اسی فلسفے کے تحت بڑے سے بڑے مجرم کو بھی قومی مفادات کے تحت مکمل امان، سو فی صد معافی دی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس مجرم کا وجود امریکہ کی تقویت، قوت اور طاقت میں اضافے کا سبب ہو۔ اس فلسفے کے تحت اخلاقی اقدار صرف ''مفادات قوم'' کے تحت مقرر ہوتی اور بدلتی رہتی ہیں۔ [Reuter 019] مفادات ہی اصل اصول ہے کہ فلسفے کے تحت مغربی اقوام کے ایک سو بارہ ملتے جلتے واقعات کا پہلا اشاریہ جو دباؤ اور حکومت کرو کے اصول جبر کی عملی تفسیر ہیں۔

[۱۳] بھارت میں "World Toilet summit" عالمی بیت الخلاء کانفرنس کا انعقاد India Toilet adovcacy charity sullabh int کے ذریعے کیا گیا ہے جس کا دعویٰ ہے کہ کرہ ارض پر آباد چھ بلین لوگوں میں سے 2.6 بلین لوگ آج بھی محفوظ، حفظان صحت کے مطابق بیت الخلاء اور رفع حاجت [Toilet] کی سہولت سے محروم ہیں لہٰذا اس تعداد کے کم از کم نصف لوگوں کو ۲۰۲۵ء تک یہ سہولتیں مہیا کر دی جائیں۔ اس کانفرنس کی نظر میں Sanitation is a key global issue ہے۔ World Tiolet Organization سے وابستہ بیالیس ممالک اس نقطہ نظر سے اتفاق رکھتے ہیں ۲۰۰۸ء کو یو این او نے Year of Sanitation قرار دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس جدید دور میں دنیا اس سہولت سے کیوں محروم ہے۔ پانچ ہزار سال قدیم موئنجو دڑو کی تہذیب میں نکاسی گند آب کا عظیم الشان نظام موجود تھا لیکن آج بھی لاڑکانہ اور اس کے گرد و نواح میں پانچ ہزار سالہ قدیم نظام کا عشر عشیر نظام بھی موجود نہیں۔ لاڑکانہ میں جزوی طور پر نکاسی آب و گند کا نظام موجود ہے لیکن بڑی بڑی کوٹھیوں میں نالیاں نہی ہوئی ہیں جن سے گندگی کا اخراج ہوتا ہے اور یہ اخراج نظر بھی آتا ہے کیا وجہ ہے کہ عہد حاضر کا انسان پانچ ہزار سال پہلے کی ٹیکنالوجی سے ناواقف ہے؟ پانچ ہزار سال قدیم موئنجو دڑو والے نکاسی گند و آب کا نظام کسی عالمی ادارے کی مدد کے بغیر بنا سکتے تھے تو آج کے جدید انسان کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ قدیم انسان کی نقالی بھی نہیں کر سکتا اور عالمی چندوں کے بغیر بنیادی سہولت مہیا نہیں کر سکتا۔ کیا یہ کانفرنس سرمایہ دارانہ نظام کے ذریعے تعمیراتی صنعت کے لوگوں

کواربوں کھربوں روپے کا کاروبار مہیا کرنے کی نئی سازش ہے۔کیا یہ واقعی مخلص لوگ ہیں جو ہر فرد کو عمدہ بیت الخلاء مہیا کرنا چاہتے ہیں۔کیا یہ بیت الخلاء لوگوں کو مفت ملے گا یا اس قیمت پر جو یہ ادا کرسکیں گے؟۔تین سو سال کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر نئی ایجاد نئی صنعت غریبوں کو لوٹنے اور امیروں کو مزید امیر بنانے کے لیے دریافت ہوتی اور مارکیٹ کی جاتی ہے۔کیا وجہ ہے کہ ہر مادی مسئلے کو یہاں تک کہ سینٹری ٹاؤل باندھنے پہننے خریدنے بیچنے سے لے کر بیت الخلاء کے مسئلے کو عالمی غور وفکر کانفرنس، سیمنار کا محور مرکز بنا لیا جاتا ہے۔دنیا کے تمام ممالک کی انتخابی مہم جوئی کا محور تنخواہیں مراعات، ویلفیئر یعنی صرف مادہ پرستی کیوں؟ کیا وجہ ہے کہ روح کے علاج، روح کے زخم اور خالق سے مخلوق کی دوری کا مسئلہ کبھی کسی بین الاقوامی کانفرنس یا سیمینار یا مہم، یا انتخابات، یا عالمگیر مسئلوں کا موضوع نہیں بنتا۔کیا انسان واقعی اتنا مادہ پرست ہوگیا ہے کہ رفع حاجت اور فضلے کی ترسیل وتقسیم کے سوا کوئی کام اس کی نظروں میں اہم نہیں رہ گیا ہے؟۔

[۱۴]اسلامی تحریکوں اور قاضی حسین احمد صاحب کا فہم جمہوریت ابھی تک صاف نہیں ہوسکا جمہوریت کے بارے میں ''دی اکنامسٹ'' کی تشریح شاید اسلامی تحریکوں کے غافل قائدین کو بیدار کرسکے۔اکنامسٹ نے اسلام کا سروے ۱۹۹۴ء میں شائع کیا تھا۔اس تحریر کا ترجمہ جماعت اسلامی کے نائب امیر خرم جاہ مراد کے قلم سے ہے لیکن خرم جاہ بھی آخری وقت تک جمہوریت کے بچھڑے کی پرستش میں مبتلا رہے۔

اسلام کا سروے اکنامسٹ لندن ۶/اگست ۱۹۹۴ء کے طویل مضمون کا خلاصہ یہ ہے:

☆عورت کو آزاد کرنا ہوگا۔اس کے لیے اسے معاشی طور پر خود کفیل بنانا ہوگا۔''مغرب سے جتنے انقلاب چھوٹے ہیں، ان میں سب سے عظیم انقلاب عورت اور مرد کے تعلقات میں انقلاب ہے۔اسلام نے اس کو اختیار نہ کیا تو وہ تنہا رہ جائے گا''۔

☆سب سے بڑی تبدیلی خود کو ماڈرن بنانے کے لیے جو اسلام کو کرنا ہوگی وہ ''جمہوریت'' کا اختیار کرنا ہے۔جمہوریت [ایسے سیاسی نظام کے معنوں میں نہیں جہاں حکمرانوں کے عزل ونصب اور امور اجتماعی کے فیصلے رائے عامہ سے ہوتے ہیں، بلکہ ایسے فلسفے کے پیرو معاشرے کے معنوں میں] جو کسی الحق حتمی سچائی پر ایمان ویقین کی بنیاد پر قائم نہ ہو یا کم سے کم کسی کو دوسرے پر ایمان ویقین مسلط کرنے کی اجازت نہ دے، جہاں ہر شخص خود یہ فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتا ہو کہ کیا نیکی ہے اور کیا بدی، کیا جائز ہے اور کیا ناجائز۔الحق کے تصور اور مقام کو مسترد کر کے ہی تو مغرب میں جمہوریت پیدا ہوئی۔☆عورت کی آزادی ہو یا فرد کی آزادی [ہدایت الٰہی پر یقین اور اس کے اتباع سے] یہ آزادی ممکن نہیں جب تک ایک ادارہ بالکل بدل نہ دیا جائے: یعنی علمائے اسلام کا ادارہ: ''تعداد میں قلیل اول تا آخر مردِ ہی مردِ خود ساختہ اور منشائے الٰہی بتانے کا حق رکھنے کے مدعی''۔علماء کا اصل ہتھیار ہے اجتہاد: قرآن صدائے الٰہی ہوا کرے اس کی صرف ۸۰ آیات قوانین وضوابط کے بارے میں کچھ کہتی ہیں۔وہ بھی محتاج تشریح ہیں، تشریح واجتہاد کا حق اجماع کا حق علما نے صدیوں سے ہائی جیک کیا ہوا ہے۔''بدقسمتی سے مسلمان آج بھی قران کی تعبیر وتشریح علماء کے اس چھوٹے سے گروہ کے ہاتھوں چھوڑے رکھنے کے لیے تیار ہیں، اور یہ یقین بھی رکھتے ہیں کہ صرف ان ہی کی تعبیر آزادانہ ہوتی ہے''۔وہ اب تک علماء سے ''نہیں'' (No) کہنے کی ہمت نہیں کر پا رہے۔چنانچہ ''اسلام ابھی تک ایک قلیل، مطلق العنان گروہ کی بالادستی کی دنیا میں رہ رہا ہے۔یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ وہ اب بھی الحق کے وجود پر یقین رکھتا ہے''۔☆اسی طرح جمہوریت کے فلسفے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھوڑے سے علماء کی بالادستی ہے، جو خدا کی ترجمانی کے مدعی ہیں۔عیسائی چرچ کی طرح بے شک نہیں، مگر اسلام میں ائمہ، علما اور مفتیوں کا ایک نظام ہے، اور اس ''تھکے ماندے مصالحت پسند اور ذلیل نظام'' کو ختم کیے بغیر اسلام کی قدیم پُر جوش قوت کا احیا نہیں

ہوسکتا۔ خدا کس چیز کی اجازت دیتا ہے، کس چیز سے منع کرتا ہے، اس کا فیصلہ کرنے کا حق اب علماء کے محدود ادارے سے سارے مسلم عوام کی طرف منتقل ہوجانا چاہیے۔☆ بدقسمتی سے اسلام کی پہلی صدی میں کوئی سینٹ پال[م:۶۴ء] نہیں ہوا جو دین کو شریعت کے شکنجے سے آزاد کردیتا۔ لیکن اب اسلام کی پندرہویں صدی میں ریفارمیشن (reformation) کی لہر ناگزیر ہے۔ عیسائیت کی پندرہویں صدی کی طرح جس کے نتیجے میں [جرمن نژاد عیسائی پروٹسٹنٹ مصلح] مارٹن لوتھر [۱۴۸۳ء۔۱۵۴۶ء] نے ۱۵۱۷ء میں چرچ کے دروازے پر اپنے مطالبات آویزاں کرکے یورپ میں پادریوں کے اقتدار کے تابوت میں پہلی کیل ٹھونک دی تھی۔[اکنامسٹ کے مضمون کا ترجمہ اسلام اور مغرب از خرم مراد، ص۶۰۔۶۱] علماء عورت جمہوریت اور اسلام کے بارے میں مغرب کے ان صاف صاف خیالات کے باوجود اگر اسلامی تحریکیں جمہوریت کو قرن اول کی شورائیت سمجھتی ہیں تو یہ ان کی جہالت کی آخری انتہا ہے۔ جمہوریت کو اسلامی اصطلاح، جمہور اور شوریٰ سے خلط ملط کرنے کا اصل سبب یہ ہے کہ ہمارے مذہبی مفکرین مغربی اصطلاحات کے پس منظر سے ناواقف ہیں۔ اصطلاح کا ترجمہ نہیں ہوتا۔ اکنامسٹ نے مغربی اصطلاح جمہوریت کی تشریح کردی ہے لیکن اس کے باوجود یہ بات نہ خرم جاہ مراد سمجھ سکے نہ اسلامی تحریکیں کہ جمہوریت سے مراد مغرب کیا لیتا ہے؟ کیا اکنامسٹ کی اس تعریف کے بعد بھی مغربی جمہوریت کو عین اسلام قرار دینا عاقلانہ اور حکیمانہ رویہ ہوسکتا ہے ایک اہم جائزہ

[۱۵] اس نقطہ نظر کا جائزہ کہ عالم اسلام کی اسلامی تحریکوں نے جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کرنے کے لیے الٰہی جمہوریت یا اسلامی جمہوریت کا جو جدید بت تراشا ہے یہ فی الاصل لبرل فلسفی جاں لاک کے الٰہی جمہوریت کے تصور سے مماثل ہے۔ لاک کے فلسفہ میں ارادہ الٰہی اور ارادہ عمومی یعنی عوام کی اکثریتی رائے یا رائے عامہ میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں جو رائے عامہ ہوگی وہی فی الاصل ارادہ الٰہی ہوگا کیونکہ عوام خدا کی رضا کے سوا کچھ سوچ ہی نہیں سکتے لہٰذا تمام انقلابی اسلامی تحریکوں کے رہنماؤں کا موقف کم وبیش یہی ہے کہ عوام شریعت کے طالب پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے آرزومند، روحانیت اور اخلاقیات کو اپنی زندگی کا مرکز محور بنانے پر آمادہ لیکن آمرانہ حکومتیں اس طرز فکر پر عمل درآمد میں اصل رکاوٹ ہیں کوئی ان رہنماؤں سے نہیں پوچھتا کہ اگر عوام شریعت کے اس قدر طالب ہیں تو ان کی ذاتی اور معاشرتی زندگی میں اس آرزو، آدرش، ایقان اور طلب کی جھلک کیوں نظر نہیں آتی۔ اس سوال پر یہ رہنما خاموش ہوجاتے ہیں۔ اسلامی تحریکوں نے دنیاوی جنت کے مغربی تصور ویلفیئر اسٹیٹ کو اسلامی فلاحی ریاست کا نام دے کر Surplus، Consumption اور Accumulation of capital for the sake of capital کے خالص کافرانہ جدید مغربی تصورات کو عین اسلامی قرار دے کر اس کی جدوجہد کو معرکہ جہاد کا نام دے رکھا ہے اور اس جہاد کی معراج لوگوں کو کھانے پینے کے لیے زیادہ سے زیادہ مہیا کرنا، کمانے کے لیے اور خوب کمانے کے لیے زیادہ سے زیادہ مواقع مہیا کرنا، ان کی حقیقی مادی ضروریات، احتیاجات کے بجائے مصنوعی ضروریات کے لیے سامان زیست مہیا کرنا اور اسے تعیّشات کی حد تک لے جانے کے مغربی آدرشوں کو عین اسلامی طرز زندگی قرار دینا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ کوئی اسلامی تحریک نہ انتخابی منشور میں اس بات کا اعلان کرتی ہے اور نہ ہی اقتدار سنبھالنے کے بعد کہ اگر ہم اقتدار میں آگئے تو معیار زندگی کم کریں گے۔ سادگی کو اسلوب حیات بنائیں گے، خراج معاشرے اور خراج معیشت کا خاتمہ کردیں گے۔ نئے نئے ہسپتالوں کی تیز رفتار تعمیر کو مدہم کردیں گے اور لوگوں کو وہ اسلامی طریقے سکھائیں گے جس کے نتیجے میں بیماریوں کا خاتمہ ہوجائے گا نہ کہ بیماریوں کے تمام مواقع اسباب مہیا کرکے جو جدید طرز زندگی کا خاصہ ہے ان کے علاج پر حکومت اور عوام کے اربوں کھربوں روپے خرچ کیے جائیں کوئی

اسلامی تحریک یہ نہیں کہتی کہ بجلی کے بحران کا حل یہ ہے کہ بجلی کم سے کم استعمال کی جائے اور بلاضرورت بلکہ اسراف کی حد تک بجلی کے استعمال کے خالص مغربی رویے کو ترک کر دیا جائے تو موجودہ بجلی کی مقدار ہماری ضرورت سے زیادہ ہوگی۔ اس کے برعکس اسلامی تحریکیں مغربی فلسفہ Consumerism کے تحت بجلی کی مزید پیداوار کے منصوبوں کی حمایت کریں گی۔ مثلاً پاکستان میں ۱۹۸۰ء تک دودھ والے کی دوکان میں بجلی کے ایک دو بلب اور ایک ٹیوب لائٹ کے سوا روشنی کا کوئی انتظام نہیں ہوتا تھا لیکن عہد حاضر میں ایک دودھ والے کی دوکان میں کم از کم پچاس بلب روشن ہوتے ہیں۔ آخر اسی دکان سے کل دو بلبوں کی روشنی میں دودھ فروخت ہوسکتا تھا تو اب پچاس بلبوں کی روشنی کیوں ضروری ہوگی۔ ظاہر ہے اس کا مقصد صرف مقابلہ، صرف تعیش، صرف کاروبار میں اضافہ، صرف گلیمر، صرف مغربی ثقافت کی مکمل پیروی۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دودھ کی قیمت بڑھ گئی ہے کیونکہ اس بجلی کا خرچ بھی صارف ادا کرے گا۔ ملک میں بجلی کی کمی ہوگئی ہے اور ہماری برآمدات سے زیادہ زرمبادلہ صرف تیل کی درآمدات پر خرچ ہو رہا ہے کیونکہ مسرفانہ زندگی کے باعث بجلی پیدا کرنے اور گاڑیاں چلانے کے لیے اربوں روپے کا تیل درآمد کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح ذہنی دباؤ [Tension]، قبض Sugar-Anxiety، Strain، کینسر، یرقان کی خطرناک اقسام، خطرناک جنسی امراض، نفسیاتی امراض اور امراض قلب کی تمام بیماریاں جو جدید طرز زندگی کے باعث پیدا ہو رہی ہیں اور ان بیماریوں کے علاج کے لیے ہزاروں ہسپتال کھل رہے ہیں اسے اسلامی تحریکیں ترقی سمجھتی ہیں اور ان ہسپتالوں کی تعمیر ان میں اضافے کو اصل کار خیر سمجھتی ہیں حالانکہ اگر جدید طرز زندگی کو ترک کر دیا جائے تو اسی فی صد سے زیادہ بیماریاں خود بخود ختم ہو جائیں گی اور اسی رفتار سے ہسپتال اور ہوٹل، کیٹرنگ کی صنعت بھی دم توڑنے لگے گی۔ کراچی میں ہر ماہ قبض کی دوائیں کروڑوں روپے کی فروخت ہوتی ہیں جب کہ دنیا کی تاریخ میں کبھی قبض کی بیماری نہیں رہی۔ قبض کی وجہ فاسٹ فوڈ رات کو دیر سے سونا، دال سبزی اور بھوسی کا آٹا استعمال نہ کرنا، مرغن غذائیں، بیکری آئٹم، مشروبات کا بڑھتا ہوا استعمال، مسرفانہ دعوتیں، آرام طلبی، پیدل نہ چلنا، ضرورت سے زیادہ کھانا، ذہنی دباؤ، بازار کے کھانے میدے کی روٹیوں کا استعمال کہ گورا آٹا لوگوں کو پسند ہے۔ لیکن اسلامی تحریکوں کو ان مسائل کا ادراک ہی نہیں ہے۔ وہ ارادہ عمومی کو ارادہ الٰہی تصور کر کے عوام کی خواہشات مطالبات آرزوؤں کے مطابق اپنی سیاسی حکمت عملی تیار کرتی ہیں اور اپنی نظریات شناخت سے مسلسل دستبردار ہو رہی ہیں۔ اس نقطہ نظر کا محاکمہ۔

[۱۶] دنیا کی اکیس تہذیبوں میں کبھی کسی استاد نے پیسے لے کر تعلیم نہیں دی اور کسی ڈاکٹر حکیم طبیب معالج نے کسی مریض کے مرض کی تشخیص پیسے لے کر نہیں کی نہ کسی مریض کو اس وجہ سے دیکھنے سے انکار کیا گیا کہ مریض کے پاس پیسے نہیں ہیں اس کے باوجود ان اکیس تہذیبوں کے تمام اساتذہ کھاتے پیتے لوگ تھے اور اپنے گھروں کے اخراجات بھی اٹھاتے تھے۔ ان اکیس تہذیبوں کے ڈاکٹر اور حکیم بھی کسی مریض سے ایک پیسہ مانگے بغیر بھی خوشحال اور فارغ البال زندگی بسر کرتے تھے، بھوکے نہیں مرتے تھے، ان اکیس تہذیبوں میں انصاف کا اور عدالت کا جو نظام تھا اس میں حصول وانصاف کے کسی شہری کو کبھی ایک پیسہ بھی جیب سے ادا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ پنچائیت، مصالحتی عدالتیں اور اعلیٰ عدالتوں تک عام آدمی اور شکایت کنندہ کی رسائی بھاڑے کے ٹٹوؤں [ایڈووکیٹ] کے بغیر براہ راست ہوتی تھی۔ اس مقصد کے لیے لمبے چوڑے پلندوں، قواعد وضوابط کے حوالوں کے بکھیڑے تک نہ تھے۔ سائل یا شکایت کنندہ زبانی طور پر بھی قاضی یا جج کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کرتا اور اسی وقت کارروائی شروع ہو جاتی لیکن سترہویں صدی کے بعد جب جدید انسان جدید معاشرہ، جدید تہذیب، جدید سائنس، جدید ٹیکنالوجی آئی اور سول سوسائٹی پیدا ہوئی مہذب انسان وجود میں آئے اور سابقہ زمانے کو تاریک زمانہ سابق انسان کو تاریک

جاہل انسان بلکہ انسان ماننے سے انکار کر دیا گیا۔ اس جدید دور کو روشن خیالی، آزادی اور روشنی کا زمانہ قرار دیا گیا تو اس مہذب سول سوسائٹی کے آتے ہی ہر استاد تعلیم کے لیے پیسے مانگنے لگا اور جتنی اچھی تعلیم چاہیے اس کے لیے اتنے ہی زبردست پیسوں کا بندوبست کرنا ہوگا۔ اچھا علاج کرانا ہے اس کے لیے اتنا اچھا ڈاکٹر اور اتنا ہی اچھا ہسپتال مگر اس کے لیے منہ مانگے پیسوں کا انتظام کرنا ہوگا۔ انصاف کے لیے وکیلوں کو کرائے پر لینا ہوگا جتنا اچھا وکیل ہوگا اتنے ہی اچھے پیسے ہوں گا۔ دنیا کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی کو تعلیم، تشخیص مرض اور انصاف کے حصول کے لیے ایک پیسہ بھی مطالبے پر ادا کرنا پڑا ہو۔ لیکن تاریخ عالم میں جدید مغرب دنیا کی وہ واحد تہذیب یا پکتھال کے الفاظ میں وہ بہیمیت ہے جس کا ڈاکٹر پیسے لیے بغیر مریض کی بیماری کی تشخیص نہیں کرتا جس کا استاد پیسے لیے بغیر کسی طالب علم کو علم دینے کے لیے تیار نہیں، جس کی عدالتیں لاکھوں روپے کے خرچے کے بغیر عام شخص کو انصاف مہیا کرنے سے قاصر ہیں۔ اس جدید طرز زندگی کو ہم سول سوسائٹی کہتے ہیں۔ یہ مہذب معاشرہ ہے جہاں ایک طالب علم علم سے اس لیے محروم ہے کہ گرامر اسکول یا چفس کالج یا آکسفورڈ میں داخلے کے لیے اس کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ اعلیٰ تعلیمی ادارے سے اس لیے محروم ہے کہ اس کی جیب خالی ہے یا اسے انگریزی فراٹے سے بولنا نہیں آتی۔ ڈاکٹر سے اس لیے محروم ہے کہ Cunsultant ماہر امراض کی فیس دینے کے لیے پیسے نہیں ہیں۔ انصاف سے اس لیے محروم ہے کہ وکیلوں کی بھاری فیس ادا نہیں کر سکتا۔ اور بے چارہ استاد، ڈاکٹر، وکیل آپ سے اس لیے پیسہ لیتا ہے کہ آخر اس نے بھی اعلیٰ تعلیمی اداروں میں لاکھوں روپے خرچ کر کے تعلیم حاصل کی ہے لہٰذا تعلیم پر خرچ کردہ رقم بھی آپ سے وصول کرے گا اور اس رقم کا سود، منافع بھی آپ ادا کریں گے۔ لطیفہ یہ ہے کہ صرف مغربی معاشروں میں ہی نہیں بلکہ اسلامی معاشروں میں بھی کسی اسلامی تحریک مذہبی جماعت کا ڈاکٹر پیسے لیے بغیر مریض کو نہیں دیکھتا، روزانہ کے اوقات میں ان اسلامی ڈاکٹروں نے غرباء کے لیے ایک گھنٹہ ہفتہ میں ایک دن مہینہ میں ایک ہفتہ یا سال میں ایک مہینہ بھی مفت علاج معالجے کے لیے نہیں رکھا ہے۔ اسلامی ڈاکٹروں کی تنظیم PIMA نے اسی سلسلے میں کوئی کام نہیں کیا۔ اس کا کام صرف ڈاکٹروں کی ویلفیئر تک محدود ہے۔ مریض اس کا حلقہ انتخاب یا حلقہ مفادات نہیں لہٰذا مریض اس کا مسئلہ نہیں یہ اسلامی تحریکوں کا حال ہے جو مادہ پرستی میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ یہی حال اسلامی تحریکوں سے وابستہ اساتذہ اور وکیلوں کا ہے جو روپے پیسے کے بغیر کوئی کام کرنے کے لیے تیار نہیں اس کے باوجود بہت سے نیک لوگ کار خیر کرتے ہیں لیکن ان کی تعداد میں کمی ہو رہی ہے اضافہ نہیں ہو رہا معیار زندگی بلند کرنا عین اسلام ہے لہٰذا خدمت خلق ختم کئے بغیر معیار کیسے بلند ہو؟۔ دوسرے معنوں میں سرمایہ داری [Capitalism] عالمگیر ہوگئی ہے اور دینی ولا دینی رویہ بن گئی ہے۔ شاعر نے اس کی تصویر کشی بہت عمدہ کی ہے۔ ؎ کیسا خدا کیسا نبی..... پیسہ خدا پیسہ نبی [نعوذ باللہ] مال کماؤ مال بناؤ کا یہ ذلیل طرز زندگی جو مغرب و مشرق میں مقبول عام ہے اور اسے مہذب اور روشن خیال طرز زندگی تصور کیا جاتا ہے دنیا کی اکیس تہذیبیں اس تصور سے خالی ہیں۔ پوری اسلامی تاریخ میں کوئی استاد، کوئی حکیم کوئی عدالت ان کاموں کا کوئی معاوضہ وصول نہیں کرتی تھی۔ اسلامی تاریخ کی ایک علامت حکیم آج بھی انحطاط کی حالت میں موجود ہے۔ آج بھی آپ کسی حکیم کے پاس مرض کی تشخیص کے لیے جائیں وہ آپ سے کوئی معاوضہ وصول نہیں کرے گا۔ آپ کے مرض کی تشخیص کرے گا اور نسخہ بھی اپنے کاغذ اور اپنی سیاہی سے لکھ کر مفت آپ کے حوالے کر دے گا اگر آپ نے دوا اس کے مطب سے لی تو آپ کو دوا کی قیمت ادا کرنا ہوگی، اگر آپ نے دوا مطب سے نہیں لی تو اس نسخے کا معاوضہ طلب نہیں کیا جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ اسلامی تحریکیں حکومت میں آنے کے بعد اگر قدیم طرز زندگی کو بحال نہیں کر سکتیں تو ان کے کامیاب ہونے کا کیا فائدہ ہے؟ کیا ان کا کام جدید مغربی سرمایہ دارانہ طرز زندگی کو عام کرنا رہ گیا ہے؟ ایک اہم ترین جائزہ۔